افغان دانشور عبداللہ بختانی کی اقبالیاتی خدمات

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

Abdullah Bakhtani is one of the first Iqbal scholars and intellectuals in Afghanistan whose intellectual efforts made Iqbal popular in Afghanistan. He has tried to convey Iqbal's thoughts to the people of Afghanistan by using Pashto as a medium of expression. In the same way, he has also employed Persian as a means of explaining, interpreting and propagating Iqbal's poetry. Abdullah Bakhtani's articles and books have been published in both Pashto and Persian. Numerous of his articles and books have been instrumental in making the interpretation of Iqbal's thought, the intellectual capital of the Afghan nation. In the article under study, these efforts have been made the subject of discussion.

عبداللہ بختانی کا نام نامی پشتو اور فارسی ادب میں تحقیق کے حوالے سے انتہائی معتبر ہے۔ آپ ننگر ہار کے علاقے سرخ رود کے قریب بختان میں ۱۳۰۵ھ ش میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ملا آغا جان تھا۔ ابتدائی تعلیم پشتو فارسی اور عربی ننگر ہار کے مدارس سے حاصل کی۔ ۱۳۲۵ھ ش میں ننگر ہار کی وزارتِ تعلیم سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ ش میں پشتو ٹولنہ کابل کے رکن منتخب ہوئے اور پشتو ہفت روزہ ''زیری'' کے مدیر مقرر ہوئے۔

۱۳۳۶ھ ش میں ''ننگر ہار'' مجلّہ کے مدیر بنے اور ۱۳۳۸ھ ش میں مطبوعات کے مستقل ریاست کے رکن بنے[1] سوانحی تفصیلات مزید معلوم نہیں ہو سکے البتہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد کچھ عرصہ کے لیے پاکستان مہاجر ہو کر پشاور میں رہتے تھے۔ پھر عازم وطن ہو کر ننگر ہار اور کابل میں رہنے لگے۔

مارچ ۲۰۰۳ء کے اوائل میں میرے محقق دوست میاں وکیل شاہ فقیر خیل کے گھر آئے تھے ساول ڈھیر مردان تو راقم الحروف نے ان سے فون پر ان کی اقبال شناسی کے حوالے سے گفتگو کی اور اس کے بعد کئی مرتبہ کابل، جلال آباد اور کندہار میں کئی کانفرنسوں اور علمی سیمیناروں میں عبداللہ بختانی سے براہ راست مستفید ہونے کے مواقع ملے۔ بختانی صاحب نے ۲۲ رفروری ۲۰۱۸ء کو کابل میں وفات پائی اور ۲۵ رفروری کو اپنے

آبائی قبرستان بختان میں دفن ہوئے۔[۲]

آپ پشتو و فارسی میں نظم و نثر لکھتے تھے۔[۳] پشتو، فارسی اور عربی زبانوں میں آپ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ آثار و تالیفات کی فہرست خاصی طویل ہے۔[۴]

جناب عبداللہ بختانی وہ پہلے افغان اقبال شناس ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ افغانستان میں (پشتو زبان) میں اقبال کے فکر و فن پر مستقل کتاب لکھی پشتانه د علامه اقبال په نظر کی (پشتون علامہ اقبال کی نظر میں) جو پشتو ٹولنہ کابل کی مسلسل نمبر ۱۲۲ کے تحت ۱۳۳۵ھ ش میں شعبہ ترجمہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ مؤلف عبداللہ بختانی اور مصحح و مہتمم راز محمد ولیش ہے۔ کتاب کے تعارفی کلمات پشتو ٹولنہ کابل کے سربراہ مشہور اقبال شناس گل باچا الفت نے لکھے ہیں جس میں افغانستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے جناب بختانی کی اس ابتدائی کاوش کو سراہا گیا ہے۔

کتاب کے ٹائٹل پر دائیں جانب کونے پر حضرت علامہ کی تصویر ہے جبکہ ٹائٹل کے وسط میں درہ خیبر کی تصویر اور نیچے علامہ کا ذیل شعر درج ہے:

خیبر از مردان حق بیگانه نیست در دل او صد هزار افسانه ایست[۵]

صفحہ الف، ب پر مصنف کا تعارفی دیباچہ ہے جبکہ درج ذیل عنوانات کے تحت حضرت علامہ کے فکر و فن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

-علامہ اقبال سوک وو؟ (اقبال کون تھے) صفحہ ۱، -د اقبال نظریات (نظریاتِ اقبال) ۲ تا ۳،
-پہ مغرب باندی انتقاد (مغرب پر تنقید) ۴ تا ۷، -مشرق تہ خطاب (مشرق کو خطاب) ۸ تا ۱۱،
-پشتنو تہ خطاب (پشتونوں کو خطاب) ۱۲ تا ۲۰، -د افغانستان سفر (سفرِ افغانستان) ۲۱ تا ۲۳،
-خیبر ۲۳، -کابل ۲۴ تا ۲۵، -غزنی ۲۶، -قندہار ۲۷،
-پشتانہ مشاہیر (پشتون مشاہیر) ۲۸، -المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ ۲۸ تا ۳۳،
-اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ ۳۴ تا ۳۸، -والاحضرت امیر امان اللہ خان ۳۸ تا ۴۱،
-اعلیٰ حضرت احمد شاہ بابا ۴۲ تا ۴۶، -سوری شیر شاہ ۴۷ تا ۴۸، -خوشحال خان خٹک ۴۹ تا ۵۸،
-اقبال د افغانی شاعرانو پہ نظر کی (اقبال افغان شعراء کی نظر میں) ۵۸ تا ۵۹،
-اقبال کیست (مرحوم ملک الشعراء قاری) ۶۰، -بر مزار اقبال در لاہور (استاد خلیلی) ۶۱،
-د علامہ اقبال پہ تصویر (حمزہ شینواری) ۶۲، -اقبال تہ خطاب (قیام الدین خادم) ۶۳ تا ۶۴،

-علامہ مشرق (ملک الشعراء بیتاب) ۶۵،　　-داقبال ویر (مرثیہ اقبال) (گل باچا الفت) ۶۶،

-بہ یاد علامہ محمد اقبال (محمد ابراہیم خلیل) ۶۷،　-ماخذات ۶۸

اس کتاب کے ماخذات میں علامہ کی مثنوی مسافر، ۲-پس چه باید کرد اے اقوامِ شرق، ۳-پیامِ مشرق، ۴جاوید نامہ، ۵-سیرتِ اقبال از محمد طاہر فاروقی، ۶-دیوان خوشحال خان خٹك، ۷-خوشحال خان خٹك سه وآی از عبدالرؤف بینوا شامل ہیں۔[۶]

مؤلف کے ساتھ اس وقت ماخذات کے سلسلے میں فضل محبوب مجددی نے مدد کی تھی۔ جبکہ مولانا قیام الدین خادم نے علامہ کے اردو اشعار کے ترجمہ و تفہیم میں ان کے ساتھ مدد کی تھی۔

بحیثیت مجموعی افغانستان میں پشتو زبان میں تفہیم فکرِ اقبال کے سلسلے میں یہ بنیادی اہمیت کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

جناب بختانی نے خوشحال خان خٹک کے ۲۸۶ ویں یومِ وفات کی مناسبت سے کابل میں منعقدہ پشتو ٹولنہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی کانفرنس (از سوموار ۵، اگست ۱۹۶۶ء تا ۱۲، اگست ۱۹۶۶) میں جمعہ ۲۸، اسد ۱۳۴۵ھ ش بمطابق ۱۹، اگست ۱۹۶۶ء میں ایک عمدہ مقالہ بعنوان دخوشحال او اقبال داشعارو "مشترکہ خواوی (خوشحال اور اقبال کے اشعار کے چند مشترک پہلو) پیش تھا۔[۷] ۱۳۸۰ھ ش میں جناب بختانی کی ایک اور کتاب خوشحا ل خان او یو سو نور فرہنگیال خٹك'' شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یہی مقالہ خوشحال خان خٹک اور اقبال کے افکار کا تقابلی جائزہ شامل کیا گیا ہے۔[۸]

اس مقالے میں حضرت علامہ کے فکر و فن پر صاحبِ سیف و قلم عظیم پشتو شاعر خوشحال خان خٹک کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تقابلی جائزے میں ان دونوں حضرات کے مشترک فکری نکات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے آغاز میں خوشحال اور اقبال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں۔

خوشحال:

دا رنگینی معنیٰ چیری دی خوشحالہ　　چی را دروی لکہ گل پہ بیاض ستا

ترجمہ: یہ رنگین معنی کہاں سے ہیں خوشحال؟ جو تیری بیاض سے پھول کی مہک کی طرح اُڑ رہی ہے۔

اقبال:

برگ گل رنگین ز مضمون من است　　مصرعِ من قطرۂ خون من است[۹]

قوموں کی مجموعی تشکیل میں شاعری کے کردار و اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خوشحال اور اقبال کے محیط،

ان کے سیاسی حالات کے اشتراک اور ان کی فکری تشکیل کے حوالے سے بختانی لکھتے ہیں:

''خوشحال او اقبال دواړه د مسلمانانو په جامعه کی را پاسید لی دی او دهغو د پاسولو او ویشولو سندری یي ویلی دی۔ دغه اولسونه نوی ژوند غواړی چی هغه یا د اسرافیل په شپیلی او یا د خوشحال او اقبال غوندی شاعرانو په نغمو او پیغورونو لاس ته راځئ۔ خوشحال په داسی وخت کی سراو چتوی چی قوم يي د مغل د استعمار تر خه ساعتونه تیروی او اقبال د انگریز د اقتدار او استعمار په عصر کی ژغ پورته کوی۔ خوشحال د خپل قوم د نجات د پاره د شرق د سیاسی ادبیاتو په تاریخ کی د لومړی ځل د پاره د ملیت (نیشنلزم نغمی ژغوي او اقبال د شرق د آزادی د پاره د شرقی ملیت روح ژوندی کوی۔ د اقبال او خوشحال د اولسونو ژوند او تاریخ تقریباً د مشابهو شرائط لاندی واقع شوی دی نو د دواړ په نغمو او آهنگونو کی مشابه سُر او تال تر غوږ کیږی۔ اقبال تقریباً په هم هغه محیط کی واقع شوی دی چی هلته د خوشحال د ادبی مکتب زور او شور تیر شوی دی۔ نو ارومرو د شعر یوه منبع د خوشحال د تفکر تیږه گنړ لای شو؛''[۱۰]

ترجمہ:

خوشحال اور اقبال دونوں نو مسلم معاشرے کے پیدا کردہ ہیں دونوں نے اس معاشرے کی بیداری اور حرکت کے نغمے لکھیں ہیں۔ یہ ملت حیات نو چاہتی ہے۔ جو یا تو اسرافیل کی صور سے یا خوشحال و اقبال جیسے شعراء کے نغمات کے طفیل ممکن ہے۔ خوشحال ایک ایسے دور میں سر بلند کرتے ہیں۔ جب ان کی قوم مغل استعمار کے تلخ وقتوں کو گزار رہی ہوتی ہے اور اقبال انگریزی اقتدار کے استعمارانہ عصر میں صدا بلند کرتے ہیں۔

خوشحال اپنی قوم کی نجات کے لیے پہلی بار مشرقی ادبیات کی سیاسی تاریخ میں ملت (نیشنلزم) کے نغمے بلند کرتے ہیں اور اقبال مشرق کی آزادی کے لیے مشرقی ملت کو زندہ روح عطا کرتے ہیں۔ جس طرح خوشحال اور اقبال کے ملتوں کی حیات اور تاریخ ایک جیسی تھی اس طرح دونوں کے نغمات میں مشابہت کی اہنگ سنائی دیتی ہے۔ اقبال تقریباً اسی خطے میں پیدا ہوئے جہاں خوشحال کا ادبی مکتب زور و شور سے گزرا تھا۔ لہٰذا اقبال کے فکر کے ایک گوشے پر خوشحال کے فکر کا اثر ناگزیر ہے۔

بختانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اقبال پشتو تو نہیں جانتے تھے مگر پشتونوں کی تاریخ و ادب سے پوری طرح باخبر تھے۔ کیوں کہ ان کے اردو و فارسی کلام پر ''پشتونولی'' کے جلوے موجود ہیں۔ ''بالِ جبریل'' کے حاشیئے کی رو سے خوشحال خان کے بارے میں اقبال کی آگاہی کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے خوشحال کے تراجم پڑھے تھے۔

اس مقالے کو چودہ ضمنی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ شاعر کے نظریات، ۲۔ بلند ہمتی، ۳۔ بلند خیال، ۴۔ گہری فکر، ۵۔ غیرت اور مجاہدہ، ۶۔ آزادی سے عشق، ۷۔ ریاکاری کی مزاحمت، ۸۔ عام شکایت، ۹۔ باز (شاہین) دونوں

شعراء کی مشترک علامت، ۱۰۔ خوشحال کا باز، ۱۱۔ اقبال کا شاہین، ۱۲۔ افغان معاشرہ، ۱۳۔ اقبال کے اشعار میں خوشحال کا تذکرہ، ۱۴۔ اقبال کے اشعار میں خوشحال کا فکری اثر۔

ان موضوعات میں ہر موضوع پر مختصر تمہیدی نوٹ کے بعد پہلے خوشحال اور بعد میں اس موضوع سے متعلق اقبال کے ابیات دیے گئے ہیں۔

شاعر کی آئیڈیالوجی کے ذیلی عنوان کے تحت پہلے خوشحال کے درج ذیل ابیات دیے گئے ہیں:

رخنہ گر د ملک پری مہ ڑدہ پہ خپل ملک کی   پہ حکمت پہ زرو زور پہ لشکرونہ
سو پہ تورو پہ توبریو پہ نیزو شی   سد چندان شی پہ تدبیر پہ ھنزونہ[۱۱]

ترجمہ:

ملک کا رخنہ گر داپنے خطے میں مت چھوڑ جو حکمت دولت اور قوت کے لشکروں سے براجمان ہونا چاہتا ہے۔ چند تو تلواروں کلہاڑوں اور نیزوں کا سہارا لیتے ہیں جبکہ سینکڑوں حکمت اور تدبیر کا راستہ لیے ہوئے ہیں۔

بی و تیغ لہ آبہ نوری او بہ نشتہ   چی جنگوی سر ساڑہ کا ٹڑونہ
سو وانخلی لہ غلیمہ انتقام   مرد نہ خوب کا نہ خواڑہ کا نہ آرام
یا مغلو سرہ رزم   یا نیولی مخ مکی تہ
پشتانہ چی نور سہ فکر کانا پوھ دی
بی لہ توری خلاصی نہ شی پہ بل کار[۱۲]

تیغ کی آب کے سوا کوئی آب نہیں جو جنگ کے بعد دھڑ کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ جب تک دشمن سے انتقام نہ لے مرد نہ سوتے ہیں نہ کھاتے اور نہ آرام کرتے ہیں۔ (قید کے بعد یہ آرزو ہے) کہ یا تو مکے کا رُخ کروں یا مغلوں کے ساتھ نبرد آزما ہو جاؤں۔ پشتون اگر کسی اور زاوئے سے سوچتے ہیں تو یہ ان کی کوتاہ اندیشی ہے تلوار کے علاوہ کسی اور شے سے نجات ناممکن ہے۔

بختانی ان ابیات کے بعد حضرت علامہ کے ابیات ذیل کا حوالہ دیتے ہیں:

آدمیت زار نالید از فرنگ   زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟   باز روشن می شود ایامِ شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید   شب گذشت و آفتاب آمد پدید
نقش نو اندر جہان باید نہاد   از کفن دزدان چہ امید گشاد؟
اھل حق را زندگی از قوت است   قوت ہر ملت از جمعیت است[۱۳]

بلند ہمتی کے تحت خوشحال کے ابیات ذیل دیے گئے ہیں:

طمع بلا دہ اسیر بندہ کا شہ شہ سڑی وی دا یی گندہ کا
ماڈیر لیدلی چی طمع نہ لری پہ پادشاھانو پوری خندہ کا
د منت دارو کہ مرم پکار می نہ دی کہ علاج لرہ می راشی مسیحا ھم
بخت دی کہ طالع دہ کہ دا خپلہ فقیری دہ خدای می شڑی تورہ برابرہ د اطلس کڑہ[۱۴]

ترجمہ:

طمع لالچ بری بلا ہے جو آزاد بندے کو غلام بناتا ہے۔اسی نے اچھی ہستیوں کو برا بنایا ہے۔میں نے کئی دیکھے ہیں جو لالچ سے بے نیاز ہیں اور بادشاہوں پہ ہنستے ہیں۔ مجھے منت کی دوا نہ چاہیے اگر چہ مر جاؤں خواہ میرے علاج کے لیے مسیحا کیوں نہ آئے۔بخت ہے یا قسمت یا کہ میری فقیری کہ پروردگار نے میری سیاہ چادر میرے لیے اطلس بنایا ہے۔

علامہ اقبال کے درج ذیل ابیات موضوع کی مناسبت سے دیے گئے ہیں:

من فقیرم بی نیازم مشربم این است و بس مومیایی خواستن نتوان شکستن میتوان
ناز شہاں نمی کشم، زخم کرم نمی خورم درنگر ای ہوس فریب ہمت این گدائی را
نہ شیخ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال فقیر راہ نشین است و دل غنی دارد[۱۵]

خوشحال:

ھغہ زر تر کاڼری لوټی لا بتر دی چی یی ومنڈی پہ زمکہ نہ خر سیڑی
چی اوبہ پہ زای ایساری شی خوساشی صفائی یی ھم پہ دادہ چی بھیڑی[۱۶]

ترجمہ:

وہ سونا پتھر ڈھیلے سے بدتر ہیں جو زمین میں دبا کے رکھ دیا جاتا ہے پھر بکتا نہیں پانی جب ساکن رہتا ہے تو بدبودار بن جاتا ہے اس کی صفائی اس کی حرکت کی مرہونِ منت ہے:

اقبال:

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ ز فیض آرزوئے تو گہر شد
بہ زر خود را سنج ای بندۂ زر کہ زر از گوشۂ چشم تو زر شد[۱۷]

خوشحال:

د درویش برخہ خوشی غم د ھغو وی چی پہ شمار د زرو ناست وی چون و چند کا

ترجمہ:

درویش کا حصہ فقط ان لوگوں کی غمخواری ہے جو دولت کے شمار میں چون و چند سے دوچار ہوتے ہیں۔

اقبال:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ!　　ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم![۱۸]

خوشحال:

دسلیمان غوندی یي پاس پہ زڑگی کشیږده　　نہ قارون غوندی ي ژده د زڑه دننه

ترجمہ:

سلیمان کی طرح مال و دولت دل کے اوپر رکھ، قارون کی مانند اس کو دل میں نہ چھپا۔

اقبال:

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق　　نہ مال و دولتِ قارون، نہ فکر افلاطون![۱۹]

بلند خیالی کے تحت خوشحال اور اقبال کے ذیل اشعار مقالے میں دیے گئے ہیں۔

خوشحال:

کہ لوړي وته می گوری　　ماه و خود زما پرچم دی

آسمانونہ می خیمی دی　　پری د ستورو زینت تم دی

لا می لوړ باغونہ نور دی　　کلی باغ می د ارم دی[۲۰]

ترجمہ:

اگر میرے بلندی کو دیکھنا ہے تو ماہ و خور میرے پڑوس میں ہیں۔ آسمان میرا خیمہ ہے جس پر ستارے چمک رہے ہیں۔ بلند تر میرے باغ اور بھی ہیں باغِ ارم میرا ایک چھوٹا سا گلشن ہے۔

اقبال:

بلند بال چنانم کہ بر سپہر برین　　ہزار بار مرا نوریاں کمین کردند

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی　　ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

مقالے میں پہلے ذکر شدہ چودہ عنوانات کے تحت ان دونوں عظیم شعرا کے افکار میں مماثلت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں خوشحال خان خٹک کے سوانحی نوٹ میں بھی حضرت علامہ کے پانچ اردو اشعار اور خوشحال خان سے متعلق ''بالِ جبریل'' کے پانچ فارسی اشعار اور بالِ جبریل کے حاشیے میں درج حضرت علامہ کا خوشحال کے تراجم سے متعلق یادداشت کا ترجمہ شامل ہے۔[۲۱]

۱۹۷۲ء کو یونیسکو نے کتاب کا بین الاقوامی سال قرار دیا تھا۔ اسی مناسبت سے حمل ۱۳۵۱ھ ش میں جناب بختانی کا فارسی شعری مجموعہ ابر بہار بھی شائع ہوا۔ اس شعری مجموعے پر افغانستان کے مختلف نقادوں

نے تحریرات شائع کیں۔ افغانستان کے اقبال شناس ادیب و شاعر قیام الدین خادم نے بھی ابر بہار پر اپنا نقد تحریر کیا۔ اور بختانی کے فکر پر حضرت علامہ کے پرتو کا جلوہ دیکھا۔

"ما چې د بختاني فارسي اشعار ولوستل ډیر کرته به مې د استاد علامه اقبال اشعار خاطر یې ته راتلل[۲۲]

ترجمہ:

میں جب کبھی بختانی کے فارسی اشعار پڑھتا تو حضرت علامہ اقبال کے اشعار اور یادیں میرے ذہن میں آتے۔

به موج بحر حوادث چه غوطه ها خوردم به آرزوئے نجاتی که مدعائے من است
به زاہدان زمان نیست اعتماد مرا مرید خویش شدم عشق رھنمائے من است
نے خبر گشتم از عصر جدید نے عمل بر نص قرآن کرده ایم
باہمه تن پروری و تنبلی کسر شان نام افغان کرده ایم[۲۳]

ترنم دل جناب بختانی کا دوسرا فارسی شعری مجموعہ ہے جو حال ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔ اس مجموعے کی شاعری پر حضرت علامہ کے فکری اثرات نہایت نمایاں ہیں۔ حتیٰ کہ مختلف نظموں کے عنوانات ہی فکرِ اقبال کے پرتو کا جلوہ ہیں۔ راز دل، نوای من، چه کرده ایم، شاعر و بلبل، باغبان در گوشم خفت، بعد ازیں، زبانِ عشق، اے صبا، داستان زندگی، ترنم دل، صدای دل، اغتشاش و انقلاب، داغ نو، الٰہی خلق خود را خود نگه دار۔

جناب بختانی نے حضرت علامہ کی تضمین پر ''ترنم دل'' میں ''به استقبال اقبال'' کے عنوان سے نظم میں حضرت علامہ کو تحسین بھی پیش کی ہے اور ان کے افکار کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

''به استقبال اقبال''

معنی سربسته ای دارم به دل گوہر ناسفته ای دارم به دل
گفته را گر باز میگو یم رواست مطلب ناگفته ای گر مدعا است
شاعر افغان شناس زنده دل * از دم اورنده صد ها مرده دل
آنکه بابا گفت پاکستان ورا مرحباها گفته افغانان ورا
حضرت اقبال مرد خوش مقال ''زنده از گفتار او سنگ و سفال''
شاعر خوش مشرب و صاحب دلی گفته با صاحب دلان راز دلی
ازته دل گفت و دردل کارکرد درد دل راوه چه خوش اظهار کرد
بحر الفاظ و معانی ''زنده رود'' حرف دل از دل بگفت وخوش سرود
آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان درآں پیکر دل است
از کشاد او کشاد آسیا در فساد او فساد آسیا

تادل آزاد است آزاد است تن
ورنہ خاکی دررۂ بادست تن

بشنو از من نغمۂ اقبال را — یک کمی بگذار قیل و قال را
یک دمی خاموش و رازدل شنو — راز آں صاحب دل از بیدل شنو
زندگیٔ تن زکار دل بود — رنج تن رنج و غبار دل بود
سکتۂ دل ختم دوران حیات — درحقیقت قطع شریان حیات
دل اگر زخمی بود تن بی سبب — می شود دررنج و در دو تاب و تب
اندگی دل رابہ دل نزدیک کن — دقتی در نکتۂ باریک کن
یاد داری آنکہ درایام یار — ما راستعمار و استثمار مار
حملہ ھا بر پیکر مشرق نمود — جامہ را جامہ دان از ماربود
نان ربود و جامۂ مارا برید — جامہ مارا بگذار حلق ما برید

گوشت مارا خورد وضربت روپنہاں
تا رسیدہ کار دھا براستخوان

کاردھا در پیکر ماکار کرد — قلب مارا استعمار کرد
شب چو آخر شد سرما روزشد — بخت ما درتیرگی پیروزشد
آسیا از خواب خوش بیدار شد — ہم رہا ازظلم استعمار شد
رفت استعمارو قلب ما تپید — نیم زندہ نیم مردہ می جہید
داغ زخم تیغ استعمار ماند — زہر قاتل از ہاں مار ماند
قلب مشرق پارہ پارہ شد چنین — پیکر آب و گلشن زار و حزین
تابہ کی باز خم قلب آسیا — ملت اقبال ہیچ بی اعتنا
ای صبا از ما بگو اقبال را — ترجمان غیرت خوشحال را
روح تو خوشنود و قبرت مرغزار — بر مزارت لالہ ھا گلھا نثار
شاد باش آرام وفارغ باش — بی غم و بی غصہ خود خوشحال باش
خود تو گفتی رقوم افغان غیور — جان او برمحنت پیھم صبور
خاکش از مردان حق بیگانہ نیست — در ضمیر صد ہزار افسانہ ایست

سرزمین کبک او شاہین مزاج
آہوی او گیرد از شیران خراج

در فضا لیش جرہ بازان تیز چنگ لرزہ برتن از نہیب شان پلنگ
آسیا با قلب خود درارتباط می گزار مرہمش با احتیاط
می کند پیوند قلب ریش را می زداید زہر مار ونیش را
آسیا دانستہ سرکار را درک کردہ رمز این اشعار را
آسیا یک پیکر آب و گل است ملت افغان درآں پیکر دل است
از کشاد او کشاد آسیا در فساد او فساد آسیا
تادل آزاد است آزاد است تن ورنہ خاکی دررہٗ بادست تن[۲۴]

بختانی صاحب نے علامہ پر ایک اور مقالہ بعنوان ''قلب آسیا گذرگاہ ونظر گاہ علامہ اقبال'' بھی لکھا۔ یہ مقالہ ویسے تو ھفت روزہ ''وفا'' (۱۰ جدی ۱۳۷۶ ھ ش) میں شائع ہوا لیکن آپ نے اس کو کابل کے خیر خانہ میں ۲۰ سرطان ۱۳۷۴ ھ ش بمطابق ۱۱ جولائی ۱۹۹۵ء تحریر کیا تھا۔ مقالے کا آغاز علامہ کے ابیات، تراکیب، مفاہیم اور اصطلاحات کی ترتیب سے مزین ہے۔

زندگی سالھا در کعبہ وبتخانہ نالید تا از بزم عشق دانائے راز برون آمد
''رموز بیخودی'' را بی پردہ گفت ''اسرار خودی'' را فاش ساخت
مغز قرآن برداشت ''زبور عجم'' ش نامیدبا''بانگِ درا''''پیامِ مشرق''راباز گفت
''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق''[۲۵]

ترجمہ:

زندگی مدتوں تک کعبہ و بتخانے میں روتی رہی کہ بزم عشق سے ایک دانائے راز باہر آیا انھوں نے خودی کے اسرار کو فاش کیا۔ قرآن کے روح سے آگاہی کو ''زبورِ عجم'' سے موسوم کیا ''بانگِ درا'' سے اہلِ ''مشرق کو پیام'' دیا۔ اور کہا کہ اے ''اقوامِ مشرق'' اب کیا کرنا چاہیے۔

مقالے میں اقبال کی اس دنیا میں آمد کو عالمِ انسانی کے لیے باعثِ سعادت قرار دیا گیا۔

ستارہ اقبال در شب تیرہ وتار در جہان مشرق درخشید۔ برمغرب نیز پرتو افگند گویا ستارۂ بخت انسان ونور انسانیت بود نوری بہ سان عاطفۂ انسانی۔ باری این کوکب درخشان از افق مشرق ھمین ما طالع گردید دانای راز راز دار ماشد۔ آں کہ مشرق وغرب را نیک میدانیست واز سرشت سرگذشت ملل آگاہ بود، شیشۂ ناموس عالم در بغل داشت ہر کہ پا کج میکوشید ھر منکری را با دستانش تغیر دہد۔ با ایمان راسخ قلم بہ دست میگرفت دم را باقلم یار

میساخت۔ برانچہ منکر است انگشت میگذاشت حرفِ حق را بھر اس میگفت چیزی را در دل نگہ نمیداشت دمیکو شید کہ تا درجہ۔۔۔ الایمان تنزل نکند او بود کہ با خطرناکترین منکرات زمین و زمانش ازمید از قبیل استعمار استشمار نادانی بزدلی گمراھی و بیراھی"۔ [۲۶]

ترجمہ:

اقبال کا ستارہ فلکِ مشرق کی تاریکیوں میں اس طرح چمکا کہ اس کا پرتو مغرب میں بھی جلوہ گزیں رہا۔ گویا یہ ستارہ انسانی سعادت اور انسانیت کے لیے نور کا وجہ بنا۔ انسانی وجدان پر اس روشن ستارے کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور یہ سعادت ہمارے مملکت کے حصے میں بھی آئی۔ یہ دانائے راز ہمارا راز دار بنا۔ مشرق و مغرب کا یہ بہی خواملتوں کے آغاز وانجام سے باخبر عالمی عزت کے شیشہ بغل میں لیے آیا۔ جس نے بھی کج روی کا مظاہرہ کیا تو اقبال نے خونِ دل کا پیالہ پیا۔ اقبال نے ہر منکر کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ روح کو قلم سے آشنا کیا۔ ہر منکر پر تنقید کی اور حرفِ حق کو بلاخوف بیان فرمایا۔ کسی چیز کو دل میں پنہاں نہیں رکھا۔ اور حتی الامکان کوشش کی کہ ایمان کو زوال نصیب نہ ہو کیونکہ وہ زمین اور زمان کے خطرناک ترین دور میں جی رہا تھا۔ اور وہ استعمار، استشمار کی نادانی بزدلی گمراہی اور بیراہی کا دور تھا۔

جناب بختانی اس دور میں اقبال کی آمد کو علم ادب اور سیاست حال، ماضی اور مستقبل کے لیے خوش بختی کا باعث گردانتے ہیں۔ اقبال نے پیرِ مغرب جرمن نکتہ داں گوئٹے کے جواب میں پیامِ مشرق لکھی اور بختانی نے افغانستان کے بادشاہ اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے نام اس کتاب کے انتساب کو قابلِ تحسین اقدام قرار دیا۔

بلی علامہ محمد اقبال نور خورشید آسماں علم ادب وسیاست، کہ ماضی، حال وآئیندہ امم را با بیان تندٔ شیرین وروشن درمیان میگذاشت سخنوری کہ بہ جواب پیرِ مغرب نکتہ داں المانی گویۂ پیامِ مشرق راسرودہ واین ھدیہ ارجناکش راہ پادشاہ افغانستان اعلیٰ حضرت امان اللہ خان پیشکش نمود ودر مقدمہ تصویر عین امت اسلامی را چنین کشید

دیدہ ئی ای خسرو کیوان جناب　　آفتاب ما توارت بالحجاب
ابطحی در دشت خویش ازراہ رفت　　از دم او سوز الا اللہ رفت
مصریان افتادہ در گرداب نیل　　سست رگ تورانیان اندہ پیل
ال عثمان درشکنج روزگار　　مشرق و مغرب زخونش لالہ زار
عشق را آئین سلمانی نماند　　خاک ایران ماند و ایرانی نماند
سوز و ساز زندگی رفت از گلشن　　آن کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلم ہندی شکم را بندہ ائی　　خود فروشی دل ز دین برکندہ ائی "[۲۷]

جناب بختانی حضرت علامہ کے مادی اقدار سے بالاتر معنوی شخصیت سے کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے نظریات کو سراہتے ہوئے ان کے نژادی نسلی قیودات کے فلسفے سے بالاتری کو تحسین پیش کرتے ہیں۔

شاعر مسلمان ھندی وترکی حجازی، ومصری، ایرانی وتورانی را با صراحت انتقاد کردنا توانیھای مادی معنوی و روانی شان را تشخیص داد قانونمندی ناتوانیھا دریافت ا؟ن راعمومیت بخشید وانتقادش را خلاصه کرد

در مسلمان شان محبوبی نماند خالد و فاروق و ایوبی نماند

مگر در ھمین فضا خطاب شاه ملت ما راستود

ای ترا فطرت ضمیرِ پاک داد از غم دین سینۂ صد چاک داد

تازه کن آئین صدیقؓ و عمرؓ چون صبا بر لالۂ صحرا گذر[28]

بختانی اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نے پشتونوں کی پسماندگی کی علت نادانانی، ناداری اور جہالت قرار دے کر درست تشخیص کی ہے۔اور شاہ افغانستان کو مشورہ دیا ہے کہ اس غیور ملت کی کوہساروں کے مکینوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دے

گویا حکیم مشرق مشخص ساخت که علت الملل پسمانیھای ملت افغان ناداری ونادانی است و به شاه کشور مشوره داد که برای تهذیب این ملت غیور علم را از سینۂ احرار وثروت را از سینه کهسار میںنھش برگیرد"[29]

بختانی صاحب اگرچہ تحقیق کے اسرار ورموز سے آگاہ ہیں اور سرمحقق کے علمی رتبے تک پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اس لیے وہ علامہ کے سفرِ افغانستان (۱۹۳۳ء) کو ایک شاعرانہ احساس کے ساتھ پرکھتے ہیں۔

"بلی شاید درآرزوی سیر وگلگشت کهسار ما نیز بود تا در اکتوبر ۱۹۳۳ء هفتاد و دو سال قبل از امروز چون صبا بر لالۂ صحرا خرامید در دره خیبر باور هایش را به تداعی گرفت و باز دریافت۔

خیبر از مردان حق بیگانه نیست در ضمیرش صد هزار افسانه ایست

جاده کم دیدم ازو پیچیده تر یاوه گردد درخم و پیچش نظر[30]

بختانی صاحب نے علامہ کے اس براہِ راست سفر کے علاوہ اس دلچسپ روحانی وتخیلی سفر کا ذکر بھی کیا ہے جس میں علامہ کے روحانی مرشد بلخی آگے آگے ہیں اور مرید ہندی سراپا حیرت سراپا عقیدت ان کے پیچھے پیچھے اس حیرت کدے کے اسرار ورموز کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

شاعر سفر دگری نیز دارد وان عروج روحانی و یا سفر تخلیلی وسیت به اوج جهان، کیهان و فراتر از اسمانها اقبال دراثر جاودان خویش مثنوی ''جاوید نامہ'' داستان سفر شاعرانه اش را با بداعت تام به سر رسانیده است و در عالم خیال به سیر سیاحت وسفر دور و درازی پرداخته و در جریان سیر به عالم بالا توانسته است با ارواح بزرگان دین و

دولت اسلامی گفت وشنودھای داشتہ باشد

تعجب نباید کرد شاعر در این سفر خیالی خویشتن راہ زندہ او د نامیدہ و رومی یعنی مولانا جلال الدین بلخی رامرشد رھبر ورھنمای سفرش معرفی کردہ است"[۳۱]

اس سفر کے دوران پھر بختانی کا مقصد اپنے موضوع سے متعلق افغان شخصیات سے علامہ کی ملاقاتوں کا تذکرہ ہے پہلے فلک عطارد پر سید جمال الدین افغانی کا حال ہے جو سعید حلیم پاشا کا امام بنا ہوا ہے۔قصر سلاطین میں ابدالی سے ملاقات کی دلچسپ روداد کو بیان کیا گیا ہے۔

مقالے کے آخر میں افغانستان کے حالات کے پیش نظر علامہ کی اس پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں افغانستان کی آبادی ایشیا کی آبادی اور افغانستان کی بربادی ایشیا کی بربادی سے تعبیر کی گئی ہے۔ بختانی نے جہانِ عالم بالخصوص اقوامِ ایشیا سے اس عظیم فلسفی کی اس پیش گوئی سے عبرت حاصل کرنے کی اپیل کی ہے۔[۳۲]

۞۔۔۔۞۔۔۔۞

حوالہ جات وحواشی

۱- عبدالرؤف بینوا،اوسنی لیکوال، دولتی مطبع،کابل،۱۳۴۰ھ،جلد۱،ش ص۱۱۶
۲- ڈاکٹر عبدالروف رفیقی، ویاڑلی ،مطبوعہ دافغانستان ملی تحریک او ڈاکٹر رفیقی سنٹر، نیز مرکز کوئٹہ، ۲۰۱۷، جلد۲، م ص ۷۷۸تا۷۹۱
۳- رشد زبان و ادب دری در گسترہ فرہنگی پشتو زبانان،ص۸۵۱
۴- پشتو کتاب شود،ص۵۱-۵۲
۵- پشتانہ د علامہ اقبال پہ نظر کی،ص۱۲۸
۶- ننگیالی پشتون،ص۔۴۶-۶۶
۷- خوشحال خان او یو سو نور فرھنگ یالی پشتانہ،ص۲۷-۶۰
۸- ننگیالی پشتون،ص۴۶-۴۷
۹- ایضاً،ص۴۸
۱۰- ایضاً،ص۔۴۸
۱۱- ایضاً،ص۴۸ - ۴۹
۱۲- ننگیالی پشتون،ص۴۹
۱۳- ایضاً،ص۴۹
۱۴- ایضاً،ص۵۰
۱۵- ایضاً،ص۵۰
۱۶- ایضاً،ص۵۱

۱۷- خوشحال خان او یو سو نور فرهنگ یالی پشتانه، ص۲۶
۱۸- ترنم دل، ص۱۷
۱۹- ایضاً، ص۱۷
۲۰- ایضاً، ص۶۹ تا ۷۲
۲۱- ہفت روزہ، وفا، ۱۰ اجدی ۱۳۷۶ھ ش، ص۱۳
۲۲- ایضاً، ص۱۳
۲۳- ایضاً، ص۱۳
۲۴- ایضاً، ص۱۳
۲۵- ہفت روزہ، وفا، ۱۰ اجدی ۱۳۷۶ھ ش، ص۱۳
۲۶- ایضاً، ص۱۳
۲۷- ایضاً، ص۱۸
۲۸- ڈاکٹر عبدالروف رفیقی، افغانستان میں اقبال شناسی کی روایت، مقالہ پی ایچ ڈی، غیر مطبوعہ ۲۰۰۳ء، ص

❁.....❁.....❁